اشارات

ہماری روزمرہ کی بول چال میں بعض ایسے الفاظ، اور فقرے رائج ہیں جن کو بولتا تو ہر شخص ہے مگر سمجھتے بہت کم ہیں۔ کثرت استعمال نے ان کا ایک اجمالی مفہوم لوگوں کے ذہن نشین کر دیا ہے، بولنے والا جب ان الفاظ کو زبان سے نکالتا ہے تو وہی مفہوم مراد لیتا ہے اور سننے والا جب انہیں سنتا ہے تو اسی مفہوم کو سمجھتا ہے لیکن وہ گہرے معانی جن کے لئے واضع نے ان الفاظ کو وضع کیا تھا، جہلا تو درکنار، اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگوں کو بھی معلوم نہیں ہوتے۔

مثال کے طور پر لفظ "اسلام" اور "مسلمان" کو لیجئے کس قدر کثرت سے یہ الفاظ بولے جاتے ہیں۔ اور کتنی ہمہ گیری کے ساتھ انہوں نے ہماری زبانوں پر قبضہ کر لیا ہے؟ مگر کتنے بولنے والے ہیں۔ جو ان کو سوچ سمجھ کر بولتے ہیں؟ اور کتنے سننے والے ہیں جو انہیں سن کر وہی مفہوم سمجھتے ہیں جس کے لئے یہ الفاظ وضع کئے گئے ہیں؟ غیر مسلموں کو جانے دیجئے۔ خود مسلمانوں میں ۹۹ فی صدی بلکہ اس سے بھی زیادہ آدمی ایسے ہیں جو اپنے آپ کو "مسلمان" کہتے اور اپنے مذہب کو "اسلام" کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ مگر نہیں جانتے کہ "مسلمان" ہونے کے معنی کیا ہیں اور لفظ "اسلام" کا حقیقی مفہوم کیا ہے؟

آئیے آج تھوڑا سا وقت ہم انہیں الفاظ کی تشریح میں صرف کریں۔

اعتقاد اور عمل کے لحاظ سے اگر آپ لوگوں کے احوال پر نگاہ ڈالیں تو عموماً تین قسم کے لوگ آپ کو ملیں گے۔ ایک قسم ان لوگوں کی جو علانیہ آزادی رائے اور آزادی عمل کے قائل ہیں۔ ہر معاملہ میں اپنی

رائے پر اعتماد کرتے ہیں صرف اپنی عقل کے فیصلوں کو صحیح سمجھتے ہیں، اور وہی طریق کار اختیار کرتے ہیں جو ان کے اپنے خیال میں صحیح ہوتا ہے کسی مذہب کی پیروی سے ان کو کچھ سروکار نہیں ہوتا۔

دوسری قسم ان لوگوں کی جو بظاہر کسی مذہب کو مانتے ہیں، مگر حقیقت میں پیروی اپنے ہی خیالات کی کرتے ہیں وہ اپنے عقائد اور قوانین عمل کے لئے مذہب کی طرف رجوع نہیں کرتے بلکہ خود اپنی طبیعت کے رجحان یا دلچسپی یا اغراض و حاجات کے لحاظ سے کچھ عقائد اپنے ذہن میں جما لیتے ہیں، عمل کے کچھ طور طریقے اختیار کرلیتے ہیں، اور پھر کوشش کرتے ہیں کہ مذہب کو ان کے مطابق ڈھال لیں گویا درحقیقت وہ مذہب کے پیرو نہیں ہیں بلکہ مذہب ان کا پیرو ہے۔

تیسری قسم میں وہ لوگ ہیں جو خود اپنی سمجھ بوجھ سے کام نہیں لیتے۔ اپنی عقل کو معطل رکھتے ہیں اور آنکھیں بند کرکے دوسروں کی تقلید کرنے لگتے ہیں خواہ وہ ان کے باپ دادا ہوں یا ان کے ہم عصر۔

پہلا گروہ آزادی کے نام پر مرتا ہے مگر نہیں جانتا کہ اس کے صحیح حدود کیا ہیں؟ فکر و عمل کی آزادی بلاشبہ ایک حد تک صحیح ہے، مگر جب وہ اپنی حد سے تجاوز کر جاتی ہے تو گمراہی بن جاتی ہے۔ جو شخص ہر معاملہ میں صرف اپنی رائے پر اعتماد کرتا ہے، ہر مسئلے میں صرف اپنی عقل کو حکم بناتا ہے، وہ دراصل اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ اس کے علم اور اس کی عقل نے دین اور دنیا کے تمام امور کا احاطہ کرلیا ہے۔ کوئی حقیقت اور مصلحت اس کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ہر منزل کی رسم و راہ سے وہ باخبر ہے۔ ہر مسلک کی پیچیدگیوں کا اسے علم ہے۔ ہر رستے کی انتہا کو بھی وہ اسی طرح جانتا ہے جس طرح اس کی ابتدا کو یہ علم اور ہوشمندی کا زعم درحقیقت ایک زعم باطل ہے اور اگر انسان صحیح معنوں میں خود اپنی عقل کو حکم بنائے تو خود عقل ہی یہ کہدے گی کہ میرا اندھا معتقد مجھ کو جن صفات سے متصف سمجھتا ہے، ان سے میں حقیقۃً متصف نہیں ہوں مجھ کو اپنا واحد رہنما سمجھنے والا صرف میری رہنمائی میں زندگی کی راہ طے کرنے والا، ٹھوکروں، لغزشوں، گمراہیوں اور ہلاکتوں سے کبھی محفوظ

نہیں رہ سکتا۔

اس قسم کی حریت فکر و عمل، تمدن و تہذیب کے لئے بھی مہلک ہے۔ حریت کا اقتضا یہ ہے کہ ہر شخص وہی عقائد رکھے جو خود اس کے اپنے خیال میں صحیح ہوں اور اسی راہ پر چلے جو اس کی اپنی عقل کے مطابق درست ہو۔ تمدن و تہذیب کا اقتضا یہ ہے کہ ایک نظام تمدن میں جتنے لوگ ہوں وہ سب چند بنیادی عقائد و افکار پر متفق ہوں، اور اپنی عملی زندگی میں ان مخصوص اطوار و آداب اور قوانین کی پیروی کریں جو حیاتِ اجتماعی کی تنظیم کے لئے مقرر کردئے گئے ہیں پس حریت فکر و عمل اور تمدن و تہذیب میں کھلی ہوئی منافات ہے۔ حریت، افراد میں خود سری، بے قیدی، انارکی پیدا کرتی ہے۔ تمدن ان سے اتباع، پیروی اور تسلیم و اطاعت کا مطالبہ کرتا ہے جہاں کامل حریت ہوگی۔ وہاں تمدن نہ ہوگا۔ اور جہاں تمدن ہوگا وہاں افراد کو ایک بڑی حد تک حریت فکر و عمل سے دست کش ہونا پڑے گا۔

دوسرے گروہ کا حال پہلے گروہ سے زیادہ بُرا ہے۔ پہلا گروہ صرف گمراہ ہے۔ دوسرا گروہ اس کے ساتھ جھوٹا، منافق، دھوکہ باز اور بدطینت بھی ہے۔ اگر تاویل کے جائز حدود میں رہ کر ایک شخص اپنے مذہب اور اپنے تخیلات و رجحانات میں موافقت پیدا کر سکتا ہو تو حریت فکر و عمل کے ساتھ مذہب کا اتباع ممکن ہے۔ اگر انسان کے اپنے رجحانات مذہب کے خلاف ہوں اور اس کے باوجود وہ مذہب کو صحیح اور اپنے رجحانات کو غلط سمجھتا ہو تب بھی ایک حد تک اس کا یہ دعویٰ صحیح ہوگا کہ وہ واقعی اس مذہب کو مانتا ہے جس کی پیروی کا وہ دعویٰ کرتا ہے لیکن اگر مذہب کی واضح تعلیمات سے اس کے عقائد اور اعمال صریحاً مختلف ہوں، اور وہ اپنے انہی عقائد و اعمال کو صحیح بھی سمجھتا ہو، اور پھر اپنے آپ کو مذہب کے دائرے میں شامل رکھنے کے لئے مذہبی تعلیمات کو اپنے خیالات اور طور طریقوں کے مطابق ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہو تو ایسے شخص کو ہم کو دن نہیں کہیں گے؟

کیوں کہ کو دن سے اتنی ہوشیاری کا کام کہاں بن آتا ہے؟ ہمیں مجبوراً اُس کو بے ایمان کہنا پڑیگا۔ ہم یہ سمجھنے پر مجبور رہیں گے کہ اس میں مذہب سے علانیہ بغاوت کرنے کے لئے کافی اخلاقی جرأت نہیں ہے۔ اس لئے وہ منافقت کی راہ سے مذہب کا پیرو بنتا ہے۔ ورنہ کونسی چیز اس کیلئے ایک ایسے مذہب کو چھوڑ دینے میں مانع ہے جس کی تعلیمات اس کی عقل کے فیصلوں کے خلاف ہیں، اس کے حقیقی افکار و عقائد کی ضد واقع ہوئی ہیں، اور اسے ان طریقوں پر چلنے سے روکتی ہیں جن پر وہ سچے دل سے چلنا چاہتا ہے۔ اور واقع میں چل بھی رہا ہے۔

تیسرا گروہ اپنے مرتبہ عقلی کے لحاظ سے سب سے زیادہ فرو تر ہے۔ پہلے دونوں گروہوں کی غلطی تو یہ ہے کہ وہ عقل سے اتنا کام لیتے ہیں جتنا وہ نہیں کر سکتی۔ اور اس گروہ کی غلطی یہ ہے کہ یہ سرے سے عقل سے کام ہی نہیں لیتا یا لیتا ہے تو اتنا کم کہ نہ لینے کے برابر۔ ایک صاحب عقل انسان کے لئے اس سے زیادہ شرمناک بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ کسی عقیدہ کا معتقد ہو، اور اس اعتقاد کے حق میں اس کے پاس اس کے اور کوئی دلیل نہ ہو کہ اس کے باپ دادا بھی یہی اعتقاد رکھتے تھے، یا فلاں قوم جو بڑی ترقی یافتہ ہے، وہ بھی اسی عقیدہ کی معتقد ہے؟ اسی طرح جو شخص اپنے دینی یا دنیوی معاملات میں بعض طریقوں کی صرف اس لئے پیروی کرتا ہو کہ باپ دادا سے وہی طریقے چلے آ رہے ہیں، یا بعض طریقوں کو صرف اس بنا پر اختیار کرتا ہو کہ اس کے عہد کی غالب قوموں میں وہی طریقے رائج ہیں، وہ در اصل اس امر کا ثبوت دیتا ہے کہ خود اس کے بھیجے میں دماغ اور دماغ میں سوچنے کی قابلیت نہیں ہے۔ اس کے پاس خود کوئی ایسی قوت نہیں ہے جس سے وہ صحیح اور غلط میں تمیز کر سکتا ہو۔ اتفاقاً وہ ہندو گھرانے میں پیدا ہو گیا۔ اس لئے ہندو مذہب کو صحیح سمجھتا ہے۔ اگر مسلمان گھر میں پیدا ہوتا تو اسلام کو برحق مانتا۔ اگر عیسائی کی اولاد ہوتا تو عیسائیت پر جان دیتا۔ اسی طرح یہ بھی اتفاق ہے کہ اس کے عہد میں فرنگی قومیں برسر اقتدار ہیں اس لئے وہ فرنگی طور طریقوں کو معیار تہذیب سمجھتا ہے۔ اگر چینی برسر اقتدار ہوتے تو یقیناً اس کے نزدیک چینی طور طریقے معیار تہذیب ہوتے، اور اگر آج دنیا پر افریقہ کے حبشیوں کا تسلط ہو جائے تو کوئی شک نہیں کہ یہ خفیف العقل

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى۔ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى (۵۳: ۱)	پیروی نہیں کرتے حالانکہ ان کے پروردگار کی طرف سے ہدایت آچکی ہے کیا انسان کے لئے وہی حق ہے جس کی وہ تمنا کرے؟
اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً فَمَنْ یَّهْدِیْهِ مِنْ بَعْدِ اللّٰهِ (۴۵: ۲۳)	کیا تونے دیکھا اس شخص کو جس نے اپنے نفس کی خواہشات کو اپنا خدا بنالیا؟ باوجودیکہ وہ علم رکھتا ہے مگر اللہ نے اسے گمراہ کردیا، اس کے کانوں اور اس کے دل پر مہر لگادی، اس کی آنکھوں پر پردہ ڈالدیا۔ اب اللہ کے بعد کون ہے جو اس کی رہنمائی کرے گا؟
وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَیْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ (۲۸: ۵)	اور اس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جس نے اللہ کی ہدایت کے بجائے اپنے نفس کی خواہش کی پیروی کی؟ ایسے ظالم لوگوں کو اللہ کبھی ہدایت نہیں دیتا۔

نزول قرآن کے زمانے میں دوسرے گروہ کے نمائندے بنی اسرائیل تھے اپنے آپ کو موسوی اور متبع توراۃ کہا کرتے تھے۔ مگر عقائد اور معاملات میں اکثر و بیشتر موسیٰ علیہ السلام کے طریقے اور توراۃ کی تعلیم کے خلاف تھے اس پر لطف یہ تھا کہ اپنے اس انحراف پر نادم بھی نہ تھے۔ بجائے اس کے کہ اپنے خیالات اور اعمال کو توراۃ کے مطابق ڈھالتے وہ توراۃ میں لفظی و معنوی تحریفیں کرکے اس کو اپنے افکار و اعمال کے مطابق ڈھال لیا کرتے تھے توراۃ کی اصلی تعلیمات کو چھپا کر اپنے خیالات کو اس طرح پیش کرتے تھے کہ گویا وہی دراصل توراۃ کی تعلیمات ہیں خدا کے جو بندے انھیں اس گمراہی پر متنبہ کرتے، اور ان کی خواہشات کے خلاف کلام الٰہی کے اتباع کی طرف دعوت دیتے تھے ان کو وہ گالیاں دیتے، جھوٹا قرار دیتے حتیٰ کہ قتل تک کردیتے تھے۔ ان کے متعلق قرآن کہتا ہے۔

یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَنَسُوْا — وہ الفاظ کو ان کے مواقع سے پھیر دیتے ہیں اور انہوں نے

انسان حیثیت کو انسانیت کا خطر سمجھنے لگے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز کے صحیح یا برحق ہونے کے لئے یہ کوئی دلیل ہی نہیں ہے کہ بزرگوں سے ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے یا دنیا میں آج کل ایسا ہی ہو رہا ہے۔ دنیا میں تو پہلے بھی حماقتیں ہوئی ہیں اور اب بھی ہو رہی ہیں۔ ہمارا کام ان حماقتوں کی اندھا دھند پیروی کرنا نہیں ہے ہمارا کام یہ نہیں ہے کہ آنکھیں بند کر کے قدیم یا جدید زمانے کے ہر طریقے کی پیروی کرنے لگیں۔ ہر رہرو کے دامن سے دامن باندھ کر چل کھڑے ہوں خواہ وہ کانٹوں کی طرف جا رہا ہو یا خندق کی طرف ہمیں خدا نے عقل اسی لئے دی ہے کہ دنیا کے اچھے اور برے میں تمیز کریں، کھوٹے اور کھرے کو پرکھ دیکھیں، کسی کو رہنما بنانے سے پہلے اچھی طرح دیکھ لیں کہ وہ کدھر لے جانے والا ہے۔

اسلام ان تینوں گروہوں کو غلط کار ٹھیراتا ہے۔

پہلے گروہ کے متعلق وہ کہتا ہے کہ نہ تو یہ لوگ کسی روشنی والے کو ہادی و رہنما مانتے ہیں نہ ان کے پاس خود ہی حق کا نور ہے کہ اس کے اجالے میں راہ طے کریں، ان کی مثال ایسے شخص کی سی ہے جو اندھیرے میں محض اندازے اور اٹکل سے چل رہا ہو ممکن ہے کہ کہیں سیدھے رستے چلے، اور ممکن ہے کہ کہیں گڑھے میں جا پڑے۔ اس لیے کہ اندازہ کوئی یقینی چیز نہیں ہے۔ اس میں صحت اور غلطی دونوں کا امکان ہے۔ بلکہ زیادہ تر امکان غلطی ہی کا ہے۔

وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللهِ شُرَكَاءَ، إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ (۱۰: ۷)	جو لوگ خدا کے سوا دوسرے شرکاء کو پکارتے ہیں، جانتے ہو کہ وہ کس طریقے کے پیرو ہیں؟ وہ صرف گمان کی پیروی کرتے ہیں اور محض اندازے پر چلتے ہیں۔
إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا (۵۳: ۲)	وہ محض گمان پر چلتے ہیں، اور گمان کا حال یہ ہے کہ وہ حق کی ہدایت سے ذرہ برابر بھی بے نیاز نہیں کرتا۔
إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ	وہ گمان اور اپنے نفس کی خواہشات کے سوا کسی اور چیز کی

حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا بِهِ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَىٰ خَائِنَةٍ مِّنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ (۵ : ۳)

بہت سی ان نصیحتوں کو بھلا دیا ہے جو انھیں کی گئی تھیں تجھے برابر ان کی کسی نہ کسی چوری کی اطلاع ملتی رہتی ہے۔ ایک خیانت سے ان کے بہت کم آدمی بچے ہوئے ہیں۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُونَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ (۳ : ۷)

اے اہل کتاب تم کیوں حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط کرتے ہو اور کیوں جانتے بوجھتے حق پر پردہ ڈالتے ہو؟

كُلَّمَا جَاءَهُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنفُسُهُمْ فَرِيقًا كَذَّبُوا وَفَرِيقًا يَقْتُلُونَ (۵ : ۱۰)

جب کبھی ان کے پاس کوئی رسول ایسا پیام لے کر آیا جو ان کے نفس کی خواہشوں کے مطابق نہ تھا تو کسی کو انہوں نے جھٹلایا اور کسی کو قتل کر دیا۔

اور پھر ان سے صاف کہدیتا ہے کہ:۔

لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ حَتَّىٰ تُقِيمُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ (۵ : ۱۰)

تم ہرگز کسی راہ راست پر نہیں ہو تا وقتیکہ تورات اور انجیل کو قائم نہ کرو اور اس کتاب کو نہ مانو جو تمہارے رب کے پاس سے تمہاری طرف اتاری گئی ہے۔ (یعنی قرآن)۔

تیسرے گروہ کے متعلق قرآن کہتا ہے:۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ (۲ : ۲۱)

اور جب ان سے کہا گیا کہ اس ہدایت پر چلو جو اللہ نے اتاری ہے تو انہوں نے کہا کہ نہیں ہم تو اسی طریقہ پر چلینگے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے کیا وہ اس صورت میں بھی اپنے باپ دادا کی پیروی کریں گے جب کہ وہ کچھ نہ سمجھتے ہوں اور راہ راست پر نہ ہوں؟

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۔ أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ (۵:۱۰۴)

اور جب ان سے کہا گیا کہ آؤ اس چیز کی طرف جو اللہ نے اتاری ہے اور آؤ رسول کی طرف، تو انہوں نے کہا کہ ہمارے لئے وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے ۔کیا وہ طریقہ اس صورت میں بھی ان کے لئے کافی ہے جبکہ ان کے باپ دادا کچھ نہ جانتے ہوں اور راہ راست پر نہ ہوں؟

وَإِن تُطِعْ أَكْثَرَ مَن فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۔ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ (۶:۱۱۶)

اور اگر تو نے بہت سے ان لوگوں کی پیروی کی جو زمین میں ہیں تو وہ تجھے اللہ کے رستے سے بھٹکا دیں گے۔ یہ لوگ تو محض گمان پر چلتے ہیں اور ان کا طریقہ بالکل اٹکل اور اندازے پر ہے۔

جو لوگ خود اپنی عقل و فہم سے کام نہیں لیتے، خود کھوٹے اور کھرے کو نہیں پرکھتے آنکھیں بند کرکے دوسروں کی تقلید کرتے ہیں، ان کو قرآن اندھا، گونگا، بہرا، بے عقل قرار دیتا ہے۔ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ (۲:۱۷۱) اور انھیں جانوروں سے تشبیہ دیتا ہے بلکہ ان سے بھی بدتر کیونکہ جانور تو عقل رکھتا ہی نہیں، اور وہ عقل رکھتے ہیں مگر اس سے کام نہیں لیتے ۔ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ (۷:۱۷۹)۔

ان تینوں گروہوں کو، جن کے طریقے افراط اور تفریط پر مبنی ہیں، رد کردینے کے بعد قرآن ایسے لوگوں کا ایک گروہ بنانا چاہتا ہے جو اعتدال اور توسط کی راہ پر ہوں، أُمَّةً وَسَطًا ہوں" قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ ہوں۔

یہ اعتدال اور توسط کی راہ کیا ہے ہیکہ پہلے تم ان سب پردوں کو چاک کردو جو قدیم روایات

اور جدید تعلیمات نے تمہاری آنکھوں کے سامنے ڈال رکھے ہیں۔ عقل سلیم کی صاف روشنی میں آنکھیں کھولو اور دیکھو کہ کیا چیز حق ہے اور کیا چیز باطل؟ دہریت صحیح ہے یا خدا پرستی؟ توحید صحیح ہے یا شرک؟ انسان راہ راست پر چلنے کے لئے خدا کی ہدایت کا محتاج ہے یا نہیں ہے؟ انبیاء علیہم السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے تھے یا معاذ اللہ جھوٹے؟ قرآن جس طریقے کو پیش کرتا ہے وہ سیدھا ہے یا ٹیڑھا؟ اگر تمہارا دل گواہی دے کہ خدا کو ماننا انسانی فطرت کا عین مقتضیٰ ہے، اور خدا حقیقت میں وہی ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے اگر تمہارا ضمیر تسلیم کرے کہ انسان اپنی رہنمائی کے لئے خدا کی بخشی ہوئی روشنی کا یقیناً محتاج ہے، اور یہ روشنی وہی ہے جو نوع بشری کے سچے رہبر انبیاء علیہم السلام لے کر آئے ہیں، اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی کو دیکھ کر تم کو یقین آجائے کہ اس اعلیٰ سیرت کا انسان ہرگز دنیا کو دھوکہ نہیں دے سکتا اور انھوں نے جب رسول خدا ہونے کا دعویٰ کیا ہے تو وہ ضرور اپنے دعوے میں سچے ہیں، اگر قرآن کا مطالعہ کرکے تمہاری عقل فیصلہ کردے کہ انسان کے لئے اعتقاد اور عمل کا سیدھا راستہ وہی ہے جو اس کتاب نے پیش کیا ہے۔ اور یہ کتاب یقیناً کلام الٰہی ہے۔ تو تمام دنیا کی ملامت و مخالفت سے بے خوف ہو کر، ہر نقصان کے ڈر اور فائدے کے لالچ سے دل کو پاک کرکے اس چیز پر ایمان لے آؤ جس کی صداقت پر تمہارا ضمیر گواہی دے رہا ہے۔

پھر جب تم نے عقل سلیم کی مدد سے حق اور باطل میں تمیز کرلی، اور باطل کو چھوڑ کر حق پر ایمان لے آئے تو عقل کے امتحان اور اس کی تنقید کا کام ختم ہو گیا۔ ایمان لانے کے بعد فیصلہ کرنے اور حکم دینے کا اختیار عقل سے خدا اور اس کے رسولؐ اور اس کی کتاب کی طرف منتقل ہو گیا۔ اب تمہارا کام فیصلہ کرنا نہیں بلکہ ہر اس حکم کے آگے سر جھکا دینا ہے جو خدا اور اس کے رسول نے تم کو دیا ہے۔ تم اپنی عقل کو ان احکام کے سمجھنے ان کی باریکیوں اور حکمتوں تک پہنچنے، اور ان کو اپنی زندگی کے جزئیات پر منطبق کرنے میں استعمال کر سکتے ہو

اگر کسی حکم خداوندی میں چون و چرا کرنے کا تم کو حق نہیں ہے۔ خواہ کسی حکم کی مصلحت تمہاری سمجھ میں آئے یا نہ آئے خواہ کوئی حکم تمہاری عقل کے معیار پر پورا اترے یا نہ اترے، خواہ اللہ اور اس کے رسول کا کوئی فیصلہ تمہیں اپنی دنیوی اغراض کے لحاظ سے مفید نظر آئے یا غیر مفید، خواہ اللہ کا ارشاد اور رسول کا فرمان دنیا کے رسم و رواج اور طور طریقوں کے مطابق ہو یا منافی، تمہارا کام بہرحال اس کے آگے سر جھکا دینا ہے۔ کیونکہ جب تم نے خدا کو خدا مان لیا، رسول کو خدا کا رسول تسلیم کر لیا اور یہ یقین کر لیا کہ خدا کا رسول جو کچھ پیش کرتا ہے، خدا کی طرف سے پیش کرتا ہے۔ اپنے دل سے گھڑی ہوئی کوئی بات پیش نہیں کرتا۔ وَمَا یَنطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی، تو اس یقین و اذعان کا عقلی نتیجہ یہ ہے کہ تم خود اپنی عقل کے فیصلوں پر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے فیصلوں کو ترجیح دو، اور جو عقائد یا امر و نہی کے احکام خدا کی طرف سے خدا کے رسول نے بیان کئے ہیں۔ ان کو اپنی عقل، اپنے علم، اپنے تجربات، یا دوسرے اہل دنیا کے افکار و اعمال کے معیار پر جانچنا چھوڑ دو۔ جو شخص کہتا ہے کہ میں مومن ہوں اور پھر چون و چرا بھی کرتا ہے، وہ اپنے قول کی آپ تردید کرتا ہے، وہ نہیں جانتا کہ ایمان اور چون و چرا میں کھلا ہوا تناقض ہے۔ اور اس کو یہ بھی نہیں معلوم کہ ڈسپلن صرف ماننے اور اطاعت کرنے سے قائم ہوتا ہے۔ چون و چرا کا دوسرا نام انارکی ہے۔

اسی اعتدال اور توسط کے طریقہ کا نام "اسلام" ہے۔ اور جو گروہ اس راستہ پر چلتا ہو اس کا نام "مسلم" ہے۔

اسلام کے معنی انقیاد، اطاعت، اور تسلیم کے ہیں۔ اور "مسلم" وہ ہے جو حکم دینے والے کے امر اور منع کرنے والے کی نہی کو بلا اعتراض تسلیم کرلے۔ پس یہ نام خود ہی اس حقیقت کا پتہ دے رہا ہے کہ آن منزلوں گروہوں اور ان کے طریقوں کو چھوڑ کر یہ چوتھا گروہ ایک نئے مسلک کے ساتھ اسی لئے قائم کیا گیا ہے کہ یہ خدا اور رسول کے حکم کو مانے اور اس کے آگے سر جھکا دے۔ اس گروہ کا کام یہ نہیں ہے کہ ہر معاملے میں

صرف اپنی عقل کی پیروی کرے، نہ یہ ہے کہ احکام الٰہی میں سے جو کچھ اسکی اغراض کے مطابق ہو اس کو مانے اور جو اغراض کے خلاف ہو اس کو رد کر دے، نہ یہ کہ کتاب اللہ اور سنت رسول کو چھوڑ کر انسانوں کی اندھی تقلید کرے خواہ وہ انسان مردہ ہوں یا زندہ۔

اس باب میں قرآن مجید کی تصریحات بالکل صاف ہیں وہ کہتا ہے کہ جب کسی معاملہ میں خدا اور رسول کا حکم آجائے تو مومنوں کو ماننے یا نہ ماننے کا اختیار باقی نہیں رہتا:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِيْنًا (۳۳: ۵)	کسی مومن اور مومنہ کا یہ کام نہیں ہے کہ جب کسی معاملہ میں اللہ اور اس کا رسول فیصلہ کر دے تو ان کے لئے اپنے اس معاملہ میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار باقی رہے جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا ہو گیا۔

وہ کہتا ہے کہ کتاب اللہ میں سے کچھ ماننا اور کچھ کو رد کر دینا، دنیا و آخرت میں رسوا کن ہے۔

أَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ، فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ إِلٰى أَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (۲: ۱۰)	کیا تم کتاب کی بعض باتوں کو مانتے ہو اور بعض کو نہیں مانتے؟ تم میں سے جو کوئی ایسا کرتا ہے اس کی سزا بجز اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ دنیا کی زندگی میں اس کی رسوائی ہو۔ اور آخرت میں ایسے لوگ شدید ترین عذاب کی طرف پھیر دیے جائیں جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے ہرگز غافل نہیں ہے۔

وہ کہتا ہے کہ فیصلہ صرف کتاب الٰہی کے مطابق ہونا چاہئے، خواہ وہ لوگوں کی خواہشات کے

مطابق ہو یا نہ ہو:—

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ (۵:۷) تو ان کے درمیان اسی کتاب کے مطابق فیصلہ کر جو اللہ نے اتاری ہے اور جو کچھ تیرے پاس حق تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے اس کو چھوڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی نہ کر۔

وہ کہتا ہے جو شخص کتاب اللہ کے موافق فیصلہ نہیں کرتا وہ فاسق ہے وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (۵:۷) اور ہر فیصلہ جو کتاب الٰہی کے خلاف ہے۔ جاہلیت کا فیصلہ ہے۔ أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ (۵:۵)

وہ کہتا ہے کہ "اے ایمان لانے والو! اللہ اور اس کے رسول اور اپنے اولی الامر کی اطاعت کرو۔ اور اگر تم حقیقت میں اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہو تو جس کسی معاملہ میں تمہارے درمیان نزاع پیدا ہو، اس کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو۔ یہی بہتر طریقہ ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی یہی اچھا ہے۔ کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ایمان لائے ہیں اس کتاب پر جو تیری جانب بھیجی گئی ہے اور ان کتابوں پر جو تجھ سے پہلے بھیجی گئی تھیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ خدا کے نافرمان انسان کو اپنے معاملہ میں حکم بنائیں حالانکہ انھیں اس کے چھوڑ دینے کا حکم دیا گیا ہے اور شیطان تو یہ چاہتا ہی ہے کہ انھیں بھٹکا کر راہ راست سے دور ہٹالے جائے۔ جب کبھی ان سے کہا گیا کہ آؤ اس کتاب کی طرف جو اللہ نے اتاری ہے اور آؤ رسول کی طرف تو تو نے منافقین کو دیکھا کہ وہ تجھ سے کنی کاٹ جاتے ہیں۔ . . . . ہم نے جو رسول بھیجا ہے، اسی لئے بھیجا ہے کہ حکم الٰہی کے مطابق اس کی اطاعت کی جائے۔ . . . . نہیں! تیرے پروردگار کی قسم وہ ہرگز مومن نہیں ہیں جب تک کہ وہ اپنی باہمی اختلافات میں تجھ کو حکم نہ بنائیں۔ اور یہ بھی کافی نہیں ہے۔ ضروری ہے کہ جو فیصلہ تو کرے اس پر وہ اپنے دل میں کسی قسم کی تنگی بھی محسوس نہ کریں اور بے چون و چرا اس کے آگے سر

جھکا دین" (۴ : ۸ - ۹) -

ان تصریحات سے "اسلام" اور "مسلم" کی وجہ تسمیہ معلوم ہو گئی - اب ہم سب لوگوں کو جنہوں نے مردم شماری میں اپنے آپ کو "مسلمان" لکھوایا ہے، غور کرنا چاہئے کہ ہم پر لفظ "مسلم" کا اطلاق کس حد تک ہوتا ہے اور جس طریقہ پر ہم چل رہے ہیں اس کو "اسلام" سے تعبیر کرنا کہاں تک درست ہے ؟

محرم کے پرچہ میں ایک مدرسۃ القرآن کے قیام کی تجویز کا ذکر کیا جا چکا ہے ۔ الحمد للہ کہ وہ تجویز اب عملی صورت میں آیا چاہتی ہے ۔ نصاب تعلیم تیار کر لیا گیا ہے اور اہل الرائے حضرات کے پاس مشورے کے لئے بھیج دیا گیا ہے ۔ جب وہ ایک آخری شکل اختیار کر لیگا تو ناظرین ترجمان القرآن کی اطلاع کے لئے شائع کر دیا جائیگا ۔ تجویز یہ ہے کہ مدرسہ میں ایسے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ لے جائیں جو بی ۔ اے ۔ کے درجہ تک انگریزی زبان اور جدید علوم کی تحصیل کر چکے ہوں اور اس کے ساتھ عربی زبان سے بھی واقف ہوں ۔ ان کو قرآن مجید کی تعلیم قدماء کے اسلوب پر بالکل نئے انداز میں دی جائیگی مطمح نظر یہ ہوگا کہ قرآن کریم کی مدد سے ان میں فکر اسلامی پیدا کی جائے ۔ وہ اسلامی نظر سے دنیا اور اس کے تمام معاملات کو دیکھیں ۔ اسلامی طریق پر سوچیں ۔ اور اسلامی طریق پر زندگی کے مسائل کو حل کریں ۔ تعلیم میں حدیث ، فقہ ، کلام ، فلسفہ ، تاریخ اسلام ، سیاسیات ، معاشیات وغیرہ تمام ضروری علوم ہوں گے ، مگر سب کا مرکز قرآن ہوگا ۔

درس میں ہر وہ طالب علم شریک ہو سکے گا جو اپنی زندگی اسلام کی خدمت کے لئے وقف کرنے پر آمادہ ہو اور جس کا مقصد حیات محض دنیا طلبی نہ ہو ۔ مگر خاص طور پر ایسے طلبہ کا انتخاب پیش نظر ہے جو انگریزی ، عربی اور اردو جاننے کے ساتھ ہندوستان کی بڑی بڑی دیسی زبانوں میں سے بھی کوئی زبان اچھی طرح جانتے ہوں ، مثلاً بنگالی ، مرہٹی ، گجراتی ، تلنگی ، تامیل وغیرہ کیونکہ آگے چل کر ان لوگوں سے ہندوستان کی دیسی زبانوں میں قرآن مجید کے ترجمہ کا کام لینا مقصود ہے ۔ اس غرض کے لئے مختلف دیسی زبانیں جاننے والے ۱۲ طلبہ منتخب کیے جائینگے اور ان کے جملہ مصارف کا کفیل خود مدرسہ ہوگا